ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2965

Program: BS

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلام کا نظام قضاء (2965) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ تخصص شریعہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: عہدِ نبوی میں عدالتی فیصلوں کے اصول: سادگی، انصاف، فوری عملدرآمد اور ذاتی کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 1: عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عدالتی فیصلے سادگی، انصاف اور فوری عملدرآمد پر مبنی تھے۔ اس دور میں ذاتی کردار کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔ ان اصولوں کی وضاحت کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی نظامِ قضاء کی بنیاد عہدِ نبوی میں رکھی گئی۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سب سے بڑے قاضی اور منصف تھے، اور آپ کے فیصلے بعد کے تمام ادوار کے لیے نمونہ اور ماخذ قرار پائے۔ اس دور کی عدالت کی سب سے نمایاں بات یہ تھی کہ اس میں نہ پیچیدہ رسمی کارروائیاں تھیں، نہ مہنگی فیسوں اور طولانی مقدمہ بازی کا نظام، اور نہ حیثیت و مرتبے کی بنیاد پر کوئی امتیاز۔ اس میں جن اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی سادگی، انصاف، فوری عملدرآمد اور ذاتی کردار کی اہمیت، یہ چاروں مل کر عہدِ نبوی کی قضاء کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے اس دور کی عدالتی تنظیم کا مختصر پس منظر بیان کیا جائے گا، پھر چاروں اصولوں کی الگ الگ وضاحت مثالی واقعات کی روشنی میں کی جائے گی، اور آخر میں ان اصولوں کی آج کے عدالتی نظام کے لیے معنویت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ بحث خالص علمی و تاریخی مطالعے کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔

عہدِ نبوی میں قضاء کا پس منظر

ہجرت سے قبل عرب معاشرے میں تنازعات کا فیصلہ قبائلی سرداروں اور کاہنوں کے ذریعے عرف و رواج کی بنیاد پر ہوتا تھا، جس میں طاقت ور قبیلے کو عموماً فوقیت حاصل رہتی تھی اور کمزور فریق کو انصاف کی ضمانت نہیں ہوتی تھی۔ مدینہ میں ریاست کے قیام کے بعد قضاء ایک باقاعدہ دینی و ریاستی فریضہ بن گئی۔ قرآن مجید نے بار بار عدل کا حکم دیا، مثلاً یہ اصول کہ کسی قوم کی دشمنی بھی انصاف سے انحراف کا سبب نہ بنے، اور یہ کہ فیصلے کتاب اللہ اور حق کی بنیاد پر کیے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں اور دیگر مقامات پر مقدمات سنتے اور فیصلہ فرماتے تھے۔ جب ریاست کا دائرہ وسیع ہوا تو آپ نے مختلف علاقوں میں صحابہ کرام کو قاضی اور عامل بنا کر بھیجا، جن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یمن بھیجا جانا سب سے مشہور ہے۔ اس موقع پر ہونے والا مکالمہ فقہِ قضاء کی بنیادوں میں شمار ہوتا ہے کہ فیصلہ پہلے کتاب اللہ سے، پھر سنت سے، اور جہاں صراحت نہ ملے وہاں اجتہاد سے کیا جائے گا۔ اسی دور میں تحریری معاہدوں، گواہی اور قسم جیسے ثبوت کے اصول بھی عملی صورت میں نافذ ہوئے۔

پہلا اصول: سادگی

عہدِ نبوی کی قضاء کا پہلا نمایاں اصول سادگی تھا۔ مقدمہ پیش کرنے کے لیے نہ تحریری درخواست کی پیچیدہ شرائط تھیں اور نہ وکیل کی خدمات حاصل کرنا ضروری تھا؛ فریقین خود حاضر ہو کر اپنا مؤقف زبانی بیان کر دیتے تھے۔ عدالت کی جگہ اور وقت بھی سادہ تھا، سماعت عموماً اسی نشست میں مکمل ہو جاتی تھی جس میں دعویٰ پیش ہوا تھا۔ سادگی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ثبوت اور تحقیق کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ انصاف تک رسائی میں کوئی مصنوعی رکاوٹ حائل نہیں تھی۔ غریب اور امیر، آزاد اور کمزور، ہر شخص براہِ راست قاضی تک پہنچ سکتا تھا۔ اس سادگی کے کئی فائدے تھے۔ مقدمے کا خرچ تقریباً صفر تھا، غریب فریق مالی بوجھ سے بچ جاتا تھا، فریقین کے درمیان کاغذی کارروائی کی وجہ سے پیدا ہونے والی دوری اور غلط فہمی کم ہوتی تھی، اور فیصلے کی روح یعنی اصل تنازعہ رسمی جزئیات میں گم نہیں ہوتی تھی۔ بعد کے ادوار میں جب عدالتی نظام وسیع ہوا تو رجسٹر، تحریر اور دفتری تنظیم کا اضافہ ہوا، لیکن فقہاء نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ رسمیت انصاف کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے، جو اسی نبوی اصول کی توسیع ہے۔

دوسرا اصول: مکمل انصاف اور مساوات

دوسرا اور مرکزی اصول انصاف تھا جس سے مراد یہ ہے کہ فیصلہ صرف حق اور ثبوت کی بنیاد پر ہو، خواہ فریق کوئی بھی ہو۔ عہدِ نبوی سے اس کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون کے چوری کے مقدمے میں جب سفارش کی کوشش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ پچھلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان میں کمزور پر حد نافذ ہوتی اور بااثر کو چھوڑ دیا جاتا تھا، اور فرمایا کہ اگر اس جگہ آپ کی اپنی بیٹی بھی ہوتی تو بھی وہی سزا ہوتی۔ یہ واقعہ قانون کی نظر میں مکمل مساوات کا اعلان تھا۔ اسی طرح ایک مقدمے میں آپ نے فریقین کو سننے کے بعد فرمایا کہ ممکن ہے ایک فریق دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور بیان کی مہارت سے فیصلہ اپنے حق میں کرا لے، لیکن اگر اس نے ناحق کچھ لے لیا تو وہ اس کے لیے آگ کا ٹکڑا ہے۔ اس ارشاد سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں: ایک یہ کہ قاضی ظاہری ثبوت و بیان کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے، اور دوسری یہ کہ اصل انصاف اخلاقی ذمہ داری سے بھی جڑا ہوا ہے۔ انصاف کے اس تصور میں فریقین کو برابر سماعت کا حق، خود قاضی کی غیر جانب داری، اور کمزور کی دادرسی خاص طور پر شامل تھی۔

جدول 1: عہدِ نبوی کے عدالتی اصول اور ان کی عملی صورتیں

اصول	عملی صورت	اثر
سادگی	زبانی دعویٰ، براہِ راست رسائی، وکیل و فیس کے بغیر سماعت	غریب کے لیے بھی انصاف قابلِ رسائی
انصاف و مساوات	حیثیت سے [illegible] سفارش کی ممانعت	قانون کی بالادستی اور عوامی اعتماد
فوری عملدرآمد	اسی نشست میں فیصلہ اور [illegible] نفاذ	تاخیر کی ناانصافی کا خاتمہ
ذاتی کردار	قاضی کا تقویٰ، امانت اور علم؛ فریق کی سچائی پر [illegible]	فیصلے کی اخلاقی ساکھ اور قبولیت

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

تیسرا اصول: فوری فیصلہ اور عملدرآمد

تیسرا اصول فیصلے اور اس کے نفاذ میں سرعت تھا۔ جب ثبوت مکمل ہو جاتا اور فریقین کی بات سن لی جاتی تو فیصلہ تاخیر کے بغیر سنا دیا جاتا اور اس پر عمل بھی فوری ہوتا تھا۔ اس سرعت کی وجہ یہ تھی کہ انصاف میں تاخیر خود ایک قسم کی ناانصافی ہے؛ مقدمہ لٹکنے سے فریقین کی زندگی معطل رہتی ہے، شواہد ماند پڑ جاتے ہیں، گواہوں کی یادداشت کمزور ہوتی ہے اور معاشرے میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ حق لینا مشکل ہے۔ عہدِ نبوی میں سرعت کے ساتھ احتیاط بھی موجود تھی: جہاں شبہ ہوتا وہاں تحقیق کا حکم دیا جاتا، اور حدود جیسے سنگین معاملات میں شبہے کی صورت میں سزا روکنے کا مشہور اصول اسی دور کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یوں فوری عملدرآمد اور عجلت میں فیصلہ کرنے کے درمیان فرق برقرار رکھا گیا؛ سرعت کا تعلق کارروائی اور نفاذ سے تھا، ثبوت کی جانچ سے نہیں۔ اس توازن کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات سرعت کو سطحی فیصلے سے خلط کر دیا جاتا ہے، حالانکہ نبوی نمونہ یہ ہے کہ سماعت پوری توجہ سے ہو مگر فیصلہ اور نفاذ بلاوجہ مؤخر نہ کیا جائے۔

چوتھا اصول: ذاتی کردار کی اہمیت

چوتھا اصول ذاتی کردار کو دی جانے والی غیر معمولی اہمیت تھی، اور یہ اصول قاضی اور فریقین دونوں پر لاگو ہوتا تھا۔ قاضی کے لیے علم کے ساتھ تقویٰ، امانت، صبر اور غصے سے اجتناب بنیادی شرط سمجھا گیا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فریقوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا، جو آج کے عدالتی اخلاقیات میں بھی تسلیم شدہ اصول ہے۔ جن صحابہ کو قضاء کی ذمہ داری دی گئی وہ علم و کردار دونوں میں ممتاز تھے۔ دوسری طرف فریقین کے کردار کو بھی اہمیت حاصل تھی: سچ بولنے کی تلقین، جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرنا، اور قسم کی حرمت و ذمہ داری اس نظام کا حصہ تھیں۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ عہدِ نبوی کا عدالتی نظام بڑی حد تک زبانی گواہی اور بیانات پر قائم تھا، لہٰذا افراد کی دیانت ہی ثبوت کی بنیاد بنتی تھی۔ کردار پر اس زور نے معاشرے میں ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں عدالت کا کام آسان ہو گیا، کیونکہ جھوٹ کی سماجی و دینی قیمت بہت بلند تھی۔ جدید فقہِ قضاء میں گواہ کی عدالت و تزکیہ کا جو تفصیلی نظام ملتا ہے اس کی جڑیں اسی اصول میں ہیں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ نبوی کی قضاء چار ستونوں پر قائم تھی: رسائی کی سادگی، فیصلے میں بے لاگ انصاف و مساوات، فیصلے و نفاذ میں بلا تاخیر سرعت، اور قاضی و فریقین کے ذاتی کردار کو دی گئی مرکزی اہمیت۔ یہ اصول محض انتظامی ترجیحات نہیں تھے بلکہ قرآن کی تعلیمات اور نبوی عمل سے ماخوذ ایک مکمل عدالتی اخلاقیات تھے جنہوں نے عرب کے قبائلی عرفی نظام کی جگہ ایک ایسا نظام کھڑا کیا جس میں کمزور کو بھی طاقت ور کے برابر انصاف ملتا تھا۔ بعد کے ادوار میں جو ادارہ جاتی وسعت آئی وہ انہی اصولوں کی تنظیم نو تھی، اور آج بھی سستے و سادہ طریقہ کار، التوا کا خاتمہ اور عدلیہ کے کردار و غیر جانب داری پر بحث دراصل انہی نبوی اصولوں کی بازگشت ہے۔ طالب علم کو یہ بات نوٹ کرنی چاہیے کہ اس دور کے واقعات کا مطالعہ تاریخی و علمی مقصد کے لیے ہے؛ کسی معاصر مقدمے میں ان اصولوں کے اطلاق کا فیصلہ متعلقہ عدالتوں اور اہلِ علم کا کام ہے۔

سوال نمبر 2: خلافتِ راشدہ میں عدالتی نظام کی ادارہ جاتی صورت اور اصلاحات (20 نمبر)

سوال نمبر 2: خلافتِ راشدہ میں عدالتی نظام کو ادارہ جاتی شکل دی گئی اور قاضیوں کا تقرر کیا گیا۔ مختلف اصلاحات بھی متعارف ہوئیں۔ اس نظام کی عملی صورت بیان کریں۔

(20 نمبر)

تعارف

خلافتِ راشدہ کا دور اسلامی قضاء کی تاریخ میں وہ مرحلہ ہے جس میں عہدِ نبوی کے اصول باقاعدہ اداروں میں ڈھل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ریاست کا رقبہ تیزی سے پھیلا؛ شام، عراق، مصر اور فارس کے بڑے شہر اسلامی حکومت میں شامل ہوئے جہاں کی آبادی، زبانیں اور مقامی روایات مدینہ سے مختلف تھیں۔ اتنے وسیع علاقے میں خلیفہ خود ہر مقدمہ نہیں سن سکتا تھا، چنانچہ ضرورت پیدا ہوئی کہ اہل و دیانت دار قاضی مقرر کیے جائیں، ان کے دائرہ اختیار متعین ہوں اور فیصلوں کی نگرانی کا نظام قائم ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مختصر دور میں مرکزیت غالب رہی، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں قضاء کو باقاعدہ الگ ادارے کی شکل دی گئی، اسی لیے انہیں اس ادارہ جاتی نظام کا بانی کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ادوار میں یہ نظام جاری رہا اور مزید تجربات سے گزرا۔ اس جواب میں اس عملی صورت کو بیان کیا جائے گا: قاضیوں کا تقرر، ان کی شرائط و تنخواہ، حضرت عمر کا مشہور مکتوب، عدالتی دفاتر و ریکارڈ، اور اس دور کی اہم اصلاحات۔

قضاء کی انتظامیہ سے علیحدگی اور قاضیوں کا تقرر

خلافتِ راشدہ کی سب سے بڑی اصلاح یہ تھی کہ قضاء کو عام انتظامیہ سے الگ شعبہ قرار دیا گیا۔ پہلے عامل و گورنر ہی انتظامی اور عدالتی دونوں کام کرتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے شہروں میں مستقل قاضی مقرر کیے جو گورنر کے ماتحت نہیں تھے بلکہ براہِ راست خلیفہ کو جواب دہ تھے۔ کوفہ میں حضرت شریح، مصر میں حضرت قیس بن ابی العاص اور دیگر شہروں میں اہل صحابہ و تابعین کو یہ منصب دیا گیا۔ تقرر کی شرائط میں اسلام، عقل و بلوغ کے ساتھ فقہ و کتاب و سنت کا علم، امانت، تقویٰ اور بے خوفی خاص طور پر دیکھی جاتی تھی۔ قاضیوں کے لیے بیت المال سے مناسب تنخواہ مقرر کی گئی تاکہ وہ معاشی دباؤ سے آزاد ہو کر فیصلہ کر سکیں اور رشوت یا تحفے کی طرف مائل نہ

ہوں؛ قاضی کے لیے فریق سے ہدیہ قبول کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ خلیفہ قاضیوں کے فیصلوں کی نگرانی بھی کرتا تھا، ان سے رپورٹ طلب کرتا اور شکایت کی صورت میں تحقیق کرتا تھا، لیکن درست فیصلے کی صورت میں ان کی آزادی میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر بعد میں عدلیہ کی آزادی کا فقہی نظریہ قائم ہوا۔

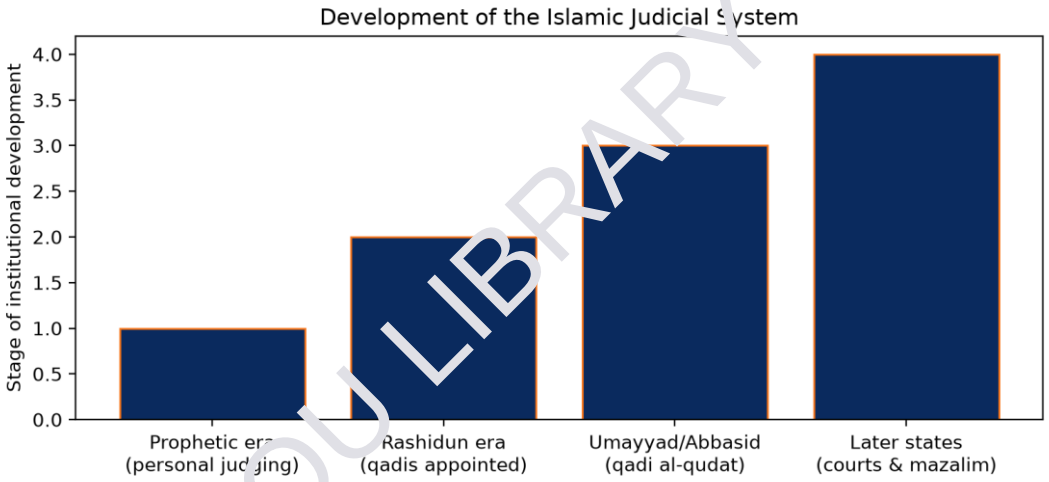

خاکہ 1: اسلامی عدالتی نظام کی ادارہ جاتی ترقی کے مراحل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب: قضاء کا بنیادی منشور

اس دور کی سب سے اہم دستاویز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے قاضی مقرر کرتے وقت لکھا؛ یہ مکتوب فقہِ قضاء میں منشورِ قضاء کی حیثیت رکھتا ہے اور آج تک عدالتی آداب کی کتب میں نقل ہوتا ہے۔ اس کے اہم نکات یہ تھے: قضاء ایک محکم فریضہ اور متبع سنت ہے، لہٰذا قاضی فیصلے کو پوری سمجھ سے نافذ کرے کیونکہ حق کا نطق نفاذ کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ قاضی لوگوں کے درمیان اپنے چہرے، مجلس اور عدل میں مساوات رکھے تاکہ شریف کو اس کی طرف سے رعایت کی امید نہ ہو اور کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو۔ ثبوت کی ذمہ داری مدعی پر ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔ اگر کل کے فیصلے پر نظر ثانی سے معلوم ہو کہ حق کچھ اور تھا تو حق کی طرف رجوع باطل پر اصرار سے بہتر ہے۔ جو بات

کتاب و سنت میں صراحتاً نہ ملے اس میں غور و اجتہاد کیا جائے اور نظائر کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس مکتوب نے قاضی کی غیر جانب داری، بوجھِ ثبوت، صلح کی اہمیت اور اجتہاد کے اصول ایک ساتھ بیان کر دیے، اور یہ اس دور کی عملی قضاء کا خلاصہ ہے۔

عملی کارروائی: سماعت، ثبوت اور فیصلہ

عملی سطح پر عدالتی کارروائی کا ڈھانچہ اس طرح تھا کہ مدعی اپنا دعویٰ پیش کرتا، قاضی مدعا علیہ کو طلب کر کے اس کا جواب سنتا، پھر ثبوت کا مرحلہ آتا جس میں گواہی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گواہوں کی ساکھ کی جانچ، یعنی ان کے عادل ہونے کی تحقیق، اس دور میں معمول بن گئی۔ جہاں گواہی میسر نہ ہوتی وہاں قسم کا سہارا لیا جاتا تھا۔ سماعت عموماً علانیہ ہوتی تھی تاکہ عوام کا اعتماد قائم رہے اور قاضی پر بھی سماجی نگرانی موجود ہو۔ اہم مقدمات میں فیصلے تحریر کیے جانے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قضاء کے ریکارڈ اور دیوانی نظام کی بنیادیں پڑیں۔ خلفاء خود بھی بڑے مقدمات سنتے تھے اور ان کے فیصلے پورے نظام کے لیے نظیر بنتے تھے؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضاء خاص طور پر مشہور ہے اور ان کے فیصلوں کی ذہانت و باریک بینی کو فقہی کتب میں مستقل جگہ ملی ہے۔ دوسری طرف خلیفہ کا اپنا کردار بھی اس نظام کا حصہ تھا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود کو بھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے اور ان کے خلاف بھی عدالت میں دعویٰ ہو سکتا تھا، جو قانون کی بالادستی کی عملی مثال تھی۔

جدول 2: خلافتِ راشدہ کی اہم عدالتی اصلاحات

مقصد	تفصیل	اصلاح
انتظامی دباؤ سے آزاد انصاف	گورنر سے الگ مستقل قاضیوں کا تقرر	قضاء کی علیحدگی
رشوت و احتیاج سے حفاظت	بیت المال سے قاضی کی کفالت	تنخواہ کا نظام
پورے ملک میں یکساں اصول	قاضیوں کے لیے تحریری ہدایات و آداب	مکتوبِ عمر
جھوٹی گواہی کی روک تھام	عدالت وساکھ کی تحقیق کا رواج	گواہوں کی جانچ

شفافیت اور عوامی اعتماد	کھلی عدالت؛ اہم فیصلوں کی تحریر	علانیہ سماعت و ریکارڈ
قاضی کی جواب دہی برقرار رکھنا	خلیفہ کی طرف سے جائزہ اور شکایت کی سماعت	نگرانی و احتساب

حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ادوار میں تسلسل

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں ریاست مزید وسیع ہوئی اور قضاء کا نظام نئے علاقوں تک پھیلا؛ مدینہ میں دار القضاء کی باقاعدہ عمارت یا مخصوص جگہ کا ذکر بھی اسی دور سے منسوب کیا جاتا ہے، جس سے عدالت کا ایک مستقل مقام متعین ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں سیاسی انتشار کے باوجود عدالتی عمل جاری رہا اور انہوں نے قاضیوں کو ہدایات دیں کہ فیصلوں میں کتاب و سنت اور سابقہ نظائر کو پیشِ نظر رکھیں۔ ان ادوار کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے کے خلاف مظلوم کی دادرسی کے لیے خلیفہ تک رسائی موجود رہی، جو بعد میں مظالم کی عدالت کے ادارے کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ تسلسل ظاہر کرتا ہے کہ خلافتِ راشدہ میں قضاء کسی ایک خلیفہ کی ذاتی پالیسی نہیں تھی بلکہ ایک ریاستی ادارہ بن چکی تھی جسے ہر دور میں برقرار رکھا گیا اور جس کی بنیادی شرائط و آداب متعین ہو چکے تھے۔

خلاصہ و نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ میں عہدِ نبوی کے اصولوں کو تین بڑی ادارہ جاتی صورتوں میں ڈھالا گیا: قضاء کو انتظامیہ سے الگ کر کے مستقل قاضی مقرر کیے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوب کی صورت میں پورے نظام کے لیے تحریری اصول و آداب فراہم کیے گئے، اور تنخواہ، گواہوں کی جانچ، علانیہ سماعت اور احتساب جیسی اصلاحات سے نظام کو عملی استحکام دیا گیا۔ اسی ڈھانچے کو بعد میں اموی و عباسی ادوار نے وسعت دی، لیکن اس کی بنیادیں اسی دور کی ہیں۔ طالب علم کے لیے اس دور کا مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ یہ دکھاتا ہے کہ اسلامی قضاء نے اصول اور ادارے کو کس طرح جوڑا: اصول وحی سے لیے گئے اور ادارے انسانی تجربے و ضرورت سے ترتیب پائے، اور دونوں کا مقصد ایک ہی رہا کہ ہر فریق کو اس کے حق کے مطابق بروقت اور بے لاگ انصاف ملے۔

سوال نمبر 3: فقہی مکاتبِ فکر کی عدالتی اصولوں کی تشریح اور مقصدِ انصاف (20 نمبر)

سوال نمبر 3: فقہی مکاتب فکر نے عدالتی اصولوں کی تشریح اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔ اختلافات کے باوجود بنیادی مقصد انصاف ہے۔ ان اصولوں کی تشریح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی قانون کا بڑا حصہ فقہاء کی اس تشریحی کاوش سے مرتب ہوا ہے جسے فقہی مکاتب یا مدارس کہا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کے بنیادی نصوص محدود ہیں مگر زندگی کے مسائل لا محدود، اس لیے ہر دور کے فقہاء نے اپنے اصولِ استنباط کی روشنی میں عدالتی مسائل کی تشریح کی۔ چار مشہور سنی مذاہب یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے علاوہ اہلِ تشیع کا جعفری مکتب بھی اسی تشریحی روایت کا حصہ ہے۔ ان مکاتب کے درمیان قاضی کی شرائط، گواہی کی قبولیت، ثبوت کی صورتوں اور طریقہ کار کے کئی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن یہ اختلاف زیادہ تر جزئیات و تطبیق کا ہے؛ اصول اور مقصد میں سب متفق ہیں کہ فیصلہ حق کے مطابق ہو اور کسی فریق پر ظلم نہ ہو۔ اس جواب میں پہلے مکاتب کے پیدا ہونے کا پس منظر، پھر ان کے عدالتی اصولوں کی تشریح کی نمایاں صورتیں، پھر اختلاف کی نوعیت و اسباب، اور آخر میں اس نکتے کی وضاحت پیش کی جائے گی کہ اختلاف کے باوجود مقصدِ انصاف کس طرح مشترک رہا۔ واضح رہے کہ یہ بحث علمی و تقابلی مطالعہ ہے؛ کسی خاص مسئلے میں کسی مکتب کی رائے پر عمل کا فیصلہ اہلِ علم اور متعلقہ عدالت کا کام ہے۔

مکاتبِ فقہ کے قیام کا پس منظر

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اسلامی مملکت مختلف ثقافتوں تک پھیل چکی تھی۔ عراق، حجاز، شام اور مصر کے مقامی حالات الگ الگ تھے، احادیث کی رسائی اور روایت کی صورت بھی ہر خطے میں مختلف تھی، اور نئے پیش آنے والے مسائل بھی الگ نوعیت کے تھے۔ اس ماحول میں امام ابو حنیفہ کے مکتب نے عراق میں قیاس و استحسان کے مضبوط اصولوں کے ساتھ فقہ کو منظم نظام دیا، امام مالک نے مدینہ کے عمل و مصالح کو اہمیت دی، امام شافعی نے اصولِ فقہ کو باقاعدہ علم کی شکل دے کر نص و قیاس کا تعلق متعین کیا،

اور امام احمد نے نصوص و آثار کی پاسداری کو مرکزی حیثیت دی۔ عدالت و قضاء کے مسائل میں یہی مناہج نظر آتے ہیں: مثلاً قاضی کے اجتہاد کی گنجائش، غیر مسلم کی گواہی کی صورتیں، تحریری دستاویز کی حیثیت اور عورت کی گواہی کے دائرے جیسے مسائل میں ہر مکتب نے اپنے اصولوں سے نتائج اخذ کیے۔ یہ اختلاف دراصل ایک ہی مقصد تک پہنچنے کے مختلف علمی راستے تھے، اور فقہاء خود اسے رحمت و وسعت قرار دیتے تھے کیونکہ اس سے عدالت کو مختلف حالات میں مناسب حل مل جاتا تھا۔

تشریح کی نمایاں صورتیں: قاضی، گواہی اور ثبوت

مکاتب کی تشریح کی سب سے زیادہ عملی صورتیں تین شعبوں میں نظر آتی ہیں۔ پہلا شعبہ قاضی کی اہلیت ہے: سب مکاتب قاضی کے مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہونے پر متفق ہیں، لیکن اجتہاد کی شرط میں اختلاف ہے؛ بعض مکاتب قاضی کا مجتہد ہونا ضروری سمجھتے ہیں، جبکہ حنفی فقہاء نے اس صورت میں مقلد قاضی کی گنجائش تسلیم کی کہ وہ اپنے امام کے اقوال کے مطابق فیصلہ کرے، کیونکہ ہر دور میں مجتہد قاضیوں کی فراہمی عملی طور پر مشکل تھی۔ دوسرا شعبہ گواہی ہے: گواہوں کی تعداد اور ان کی صفات میں بنیادی اتفاق کے باوجود حدود و قصاص اور مالی معاملات میں گواہی کی شرائط کی جزئیات میں اختلاف ملتا ہے، اور تحریر و دستاویز کو ثبوت ماننے کے دائرے میں بھی مکاتب کی آراء الگ الگ ہیں؛ مالکی فقہ میں مدینہ کے مستقل عمل اور عرف کو جو اہمیت دی گئی وہ عدالتی ثبوت میں بھی نظر آتی ہے۔ تیسرا شعبہ طریقہ کار ہے: مجلسِ قضاء کے آداب، فریقین کی برابری، قاضی کے صاحبِ رائے افراد سے مشورے اور فیصلے کی تحریر جیسے امور میں ہر مکتب نے اپنی مفصل ہدایات دیں۔ ان تشریحات نے مل کر ایک ایسا عدالتی ادب پیدا کیا جس سے قاضی کو ہر قدم پر رہنمائی ملتی تھی اور من مانی کا راستہ بند ہوتا تھا۔

جدول 3: مکاتبِ فقہ کی عدالتی تشریح کے نمایاں زور کے نکات

قضاء میں نمایاں پہلو	اصولی زور	مکتب
مقلد قاضی کی گنجائش؛ تحریری کارروائی کی تفصیلی صورت	قیاس و استحسان	حنفی

عرف و عمل کو ثبوت و تشریح میں وزن	عملِ اہلِ مدینہ و مصلحت	مالکی
نص کی ترتیب و قیاس کے ضوابط پر سختی	اصولِ فقہ کی باقاعدہ ترتیب	شافعی
سلف کے فیصلوں و آثار کو نمایاں اہمیت	نصوص و آثار کی پاسداری	حنبلی
اپنے اصولوں کے مطابق گواہی و قضاء کی مفصل بحث	نص و روایاتِ ائمہ	جعفری

اختلاف کی نوعیت اور اس کے اسباب

ان اختلافات کو سمجھنے کے لیے ان کے اسباب پر غور ضروری ہے۔ پہلا سبب نصوص کی فہم کا اختلاف ہے: ایک ہی آیت یا حدیث کے عام و خاص، مطلق و مقید ہونے میں فقہاء کی رائے الگ ہو سکتی ہے۔ دوسرا سبب حدیث کی ثبوت و رسائی کا فرق ہے؛ کس علاقے میں کون سی روایت کس درجے کے ساتھ پہنچی، اس سے نتائج بدل جاتے ہیں۔ تیسرا سبب مقامی عرف و حالات ہیں؛ عراق کے تجارتی ماحول کے مسائل حجاز سے مختلف تھے، اور فقہاء نے عرف کو ایک حد تک تشریح میں داخل رکھا۔ چوتھا سبب اصولِ استنباط کا فرق ہے، مثلاً استحسان، مصلحتِ مرسلہ اور سدِ ذرائع کو کس مکتب نے کس مقام پر رکھا۔ ان اسباب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف ذاتی ترجیح یا گروہ بندی نہیں بلکہ علمی طریقہ کار کے فرق کا نتیجہ تھا۔ اسی لیے محققین کہتے ہیں کہ فقہی اختلاف کی درست تفہیم کے لیے ہر رائے کو اس کے دلیل و منہج کے ساتھ دیکھنا چاہیے، اور یہی رویہ عدالتی عمل میں بھی برتا گیا کہ قاضی جس مکتب کا پابند ہو اسی کے اصولوں سے فیصلہ کرے تاکہ فیصلوں میں تسلسل و پیش گوئی برقرار رہے۔

اختلاف کے باوجود مقصدِ انصاف کی اشتراکیت

ان تمام اختلافات کے باوجود جو بات سب مکاتب میں مشترک ہے وہ مقصدِ انصاف ہے۔ ہر مکتب قاضی کی غیر جانب داری، فریقین کی مساوی سماعت، ثبوت کی سختی سے جانچ اور شبہے کی صورت میں سنگین سزا سے اجتناب پر متفق ہے۔ مقاصدِ شریعت کی اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قضاء کا مقصد جان، مال، عزت اور حقوق کی حفاظت ہے اور ہر مکتب کی جزئی تشریح اسی مقصد کی مختلف عملی صورت ہے۔ اس اشتراکیت کی ایک بڑی گواہی یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مختلف ادوار کی اسلامی ریاستوں نے مختلف مکاتب کے

فقہاء کو قاضی مقرر کیا اور نظام چلتا رہا؛ عباسی دور میں قاضی القضاۃ کا عہدہ، عثمانی دور میں حنفی فقہ کی سرکاری حیثیت، اور بعض خطوں میں مالکی و شافعی قاضیوں کی روایت اسی لچک کو ظاہر کرتی ہے۔ جدید دور میں کئی مسلم ممالک کی عدالتوں اور مجالسِ قانون سازی نے اسی تنوع سے فائدہ اٹھا کر ایسے ضابطے بنائے ہیں جن میں مختلف مکاتب کی مناسب آراء کو یکجا کیا گیا ہے، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فقہی تنوع نظامِ انصاف کے لیے کمزوری نہیں بلکہ وسعت کا ذریعہ ہے، بشرطیکہ اختیار علم و دیانت کے ساتھ ہو۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ فقہی مکاتب نے عدالتی اصولوں کی تشریح اپنے اپنے مناہجِ استنباط (جیسے قیاس، استحسان، عمل و مصلحت، اصول کی ترتیب اور نصوص کی پاسداری) کے مطابق کی، جس سے قاضی کی شرائط، گواہی و ثبوت اور طریقہ کار کی جزئیات میں اختلاف پیدا ہوا۔ یہ اختلاف اسبابِ علمی رکھتا ہے اور اس کا حلقہ زیادہ تر تطبیق و جزئیات تک محدود ہے، جبکہ اصول و مقاصد میں سب مکاتب متفق ہیں: فیصلہ دلیل کی بنیاد پر ہو، قاضی بے طرف ہو، کمزور کو انصاف ملے اور حقوق کی حفاظت ہو۔ اسی اشتراک کی وجہ سے اسلامی قضاء نے تیرہ سو سال تک مختلف خطوں و ثقافتوں میں کام کیا۔ طالب علم کو اس سوال سے یہ اہم نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ فقہی اختلاف کو انصاف کے دشمن کے طور پر نہیں بلکہ اسی مقصد کے مختلف علمی راستوں کے طور پر سمجھنا چاہیے، اور کسی معاصر تنازعے میں کسی رائے کے انتخاب کا اختیار اہلِ علم و عدالت کا ہے۔

سوال نمبر 4: اسلامی عدالت میں مقدمات کے اندراج اور سماعت کا طریقہ کار (20 نمبر)

سوال نمبر 4: اسلامی عدالت میں مقدمات کے اندراج اور سماعت کا باقاعدہ طریقہ کار موجود ہے۔ اس عمل میں شفافیت اور انصاف کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کو بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

کسی بھی عدالتی نظام کی ساکھ اس کے طریقہ کار سے بنتی ہے، کیونکہ درست اصول بھی اگر بے ترتیب کارروائی میں ضائع ہو جائیں تو انصاف نہیں ملتا۔ اسلامی عدالت میں مقدمے کا ایک باقاعدہ طریقہ کار فقہِ قضاء کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے، جس میں دعوے کے اندراج سے لے کر فیصلے کے نفاذ تک ہر مرحلے کے ضوابط موجود ہیں۔ اس طریقہ کار کی دو نمایاں خوبیاں شفافیت اور فریقین کے ساتھ مساوی سلوک ہیں۔ سماعت علانیہ ہوتی ہے، ہر فریق کو اپنا موقف پیش کرنے کا پورا موقع ملتا ہے، ثبوت کھلی عدالت میں پرکھا جاتا ہے اور فیصلہ اسباب کے ساتھ سنایا جاتا ہے۔ اس جواب میں اس طریقہ کار کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا: دعویٰ و اندراج، فریق کو طلبی و اطلاع، سماعت و ثبوت، صلح کی کوشش، فیصلہ و تحریر، اور نفاذ و نظرِ ثانی کی صورتیں۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ ہر مرحلے میں شفافیت و انصاف کو یقینی بنانے کے لیے فقہاء نے کیا حفاظتیں رکھی ہیں۔

پہلا مرحلہ: دعوے کا اندراج

کارروائی کا آغاز مدعی کے دعوے سے ہوتا ہے۔ فقہِ قضاء میں درست دعوے کی شرائط متعین ہیں: مدعی و مدعا علیہ کی شناخت واضح ہو، دعوے کا موضوع معلوم و متعین ہو، اور دعویٰ ایسی بات پر ہو جو قانوناً قابلِ سماعت ہو۔ دعویٰ عدالت میں پیش ہونے پر اسے درج کیا جاتا ہے؛ ابتدائی ادوار میں یہ اندراج سادہ تھا مگر بعد میں عدالتوں میں باقاعدہ رجسٹر اور محرر کا نظام قائم ہوا جس میں دعوے کی تاریخ، فریقین کے نام اور موضوع لکھا جاتا تھا۔ اندراج کا فائدہ یہ ہے کہ مقدمے کا ایک مستقل ریکارڈ بن جاتا ہے جس سے بعد میں نہ دعوے کی تبدیلی آسانی سے ممکن رہتی ہے اور نہ فیصلے میں ابہام۔ اسی مرحلے پر قاضی یہ بھی دیکھتا ہے کہ مقدمہ اس کے دائرہ اختیار میں آتا ہے یا نہیں، اور اگر دعویٰ ظاہراً بے بنیاد ہو تو اس کی مناسب رہنمائی یا ابتدائی جانچ سے عدالت کا وقت بچایا جاتا ہے۔ جدید اصطلاح میں یہ مرحلہ کسی حد تک مقدمے کے داخلے اور ابتدائی جانچ سے ملتا جلتا ہے، فرق یہ ہے کہ اسلامی عمل میں رسمی پیچیدگی کم اور اصل تنازعے تک فوری رسائی پر زیادہ زور ہے۔

دوسرا مرحلہ: طلبی، اطلاع اور حاضری

دعویٰ درج ہونے کے بعد مدعاعلیہ کو عدالت کی طرف سے طلبی بھیجی جاتی ہے تاکہ وہ مقررہ دن حاضر ہو کر جواب دے۔ یہ اطلاع انصاف کی بنیادی شرط ہے کیونکہ کسی فریق کے خلاف اس کی غیر حاضری وعدم علم میں کارروائی شفافیت کے خلاف ہے۔ فقہاء نے طلبی کے طریقے، فاصلے اور معقول مہلت کی جزئیات تک بیان کی ہیں؛ اگر مدعاعلیہ جان بوجھ کر حاضر نہ ہو تو اس کے لیے مختلف صورتوں میں مختلف احکام ہیں، مثلاً بعض صورتوں میں اس کے مال یا گواہوں کے ذریعے کارروائی آگے بڑھتی ہے اور بعض میں اسے حاضر کرنے کے انتظامی ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ فریقین عدالت میں خود بھی پیش ہو سکتے ہیں اور اپنے وکیل یا نمائندے کے ذریعے بھی، اور اس نمائندگی کے ضوابط بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مجلسِ قضاء میں فریقین کے بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی جگہ میں برابری رکھی جاتی ہے تاکہ ظاہری انداز سے بھی کسی کو فوقیت کا احساس نہ ہو، یہ ہدایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوب سے لے کر بعد کی تمام کتبِ قضاء میں دہرائی گئی ہے۔

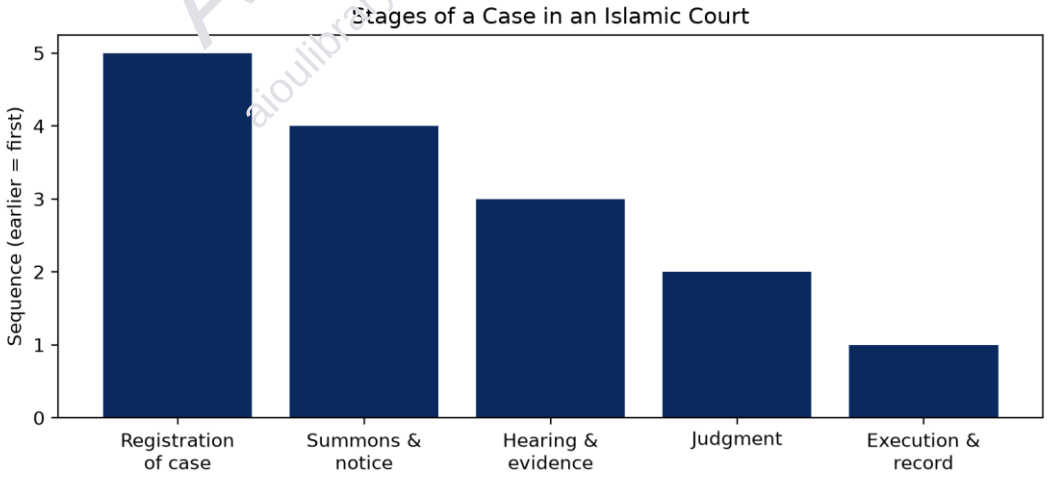

خاکہ 2: اسلامی عدالت میں مقدمے کے مراحل کی ترتیب

تیسرا مرحلہ: سماعت و ثبوت

سماعت اس عمل کا قلب ہے۔ قاضی پہلے مدعی سے اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل بیان کرنے کو کہتا ہے، پھر مدعا علیہ کو جواب کا پورا موقع دیتا ہے۔ اس کے بعد ثبوت کا مرحلہ آتا ہے جس کا مشہور اصول یہ ہے کہ ثبوت پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے اور انکار کرنے والے سے قسم لی جاتی ہے۔ ثبوت کی اہم صورتیں گواہی، اقرار، قسم، تحریری دستاویز اور قرائن ہیں، جن میں سے ہر ایک کی شرائط فقہ میں مفصل ہیں۔ گواہوں کو کھلی عدالت میں بیان دینا ہوتا ہے اور قاضی ان کی عدالت و ساکھ کی تحقیق کرتا ہے جسے تزکیہ کہا جاتا ہے؛ مخالف فریق کو گواہ پر جرح کا حق حاصل ہوتا ہے۔ سماعت کی علانیت شفافیت کی سب سے بڑی ضمانت ہے کیونکہ فریقین، گواہ اور حاضرین سب کارروائی دیکھ رہے ہوتے ہیں، جس سے قاضی پر بھی اجتماعی نگرانی قائم رہتی ہے۔ سماعت کے دوران صلح کی کوشش بھی اسی طریقہ کار کا حصہ ہے: اگر فریقین رضامندی سے تصفیہ چاہیں تو قاضی اس کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ صلح سے کئی مقدمات فیصلے کے بغیر اطمینان سے ختم ہو جاتے ہیں، البتہ صلح کسی حرام کو حلال کرنے کے لیے نہیں ہو سکتی۔

جدول 4: مقدمے کے مراحل میں شفافیت و انصاف کی حفاظتیں

مرحلہ	طریقہ	شفافیت و انصاف کی حفاظت
اندراج	رجسٹر میں دعوے و فریقین کا اندراج	ریکارڈ کی موجودگی؛ تبدیلی و انکار کی گنجائش ختم
طلبی	مدعا علیہ کو باقاعدہ اطلاع و مہلت	یک طرفہ کارروائی کی ممانعت
سماعت	علانیہ مجلس؛ دونوں فریقوں کی مکمل بات	مساوی موقع؛ اجتماعی نگرانی
ثبوت	گواہی، اقرار، قسم، دستاویز کی جانچ	دلیل کے بغیر فیصلے کی ممانعت
فیصلہ	اسباب کے ساتھ علانیہ اعلان و تحریر	فریقین کو وجہ معلوم؛ ریکارڈ محفوظ
نفاذ	فیصلے پر عملدرآمد و نگرانی	حق کا عملی حصول یقینی

چوتھا مرحلہ: فیصلہ، تحریر اور نفاذ

سماعت و ثبوت مکمل ہونے پر قاضی فیصلہ سناتا ہے۔ فیصلہ واضح اور متعین ہوتا ہے تاکہ نفاذ میں ابہام نہ رہے، اور اہم مقدمات میں یہ تحریری شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے جسے سجل یا محضر کہا گیا ہے۔ فیصلے کی تحریر سے دو فائدے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ بعد میں اس کے مندرجات پر اختلاف نہیں ہوتا، اور دوسرا یہ کہ نظر ثانی یا تحقیق کی صورت میں اصل ریکارڈ موجود رہتا ہے۔ فیصلے کے بعد اس کا نفاذ آتا ہے جو ریاست کی ذمہ داری ہے؛ جس فریق کے حق میں فیصلہ ہو اسے اس کا حق عملی طور پر دلایا جاتا ہے، کیونکہ نفاذ کے بغیر فیصلہ محض کاغذی اعلان رہ جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ حق بیان کرنا فائدہ نہیں دیتا جب تک اسے نافذ نہ کیا جائے۔ اس پورے عمل میں قاضی کے لیے یہ بھی ضابطہ ہے کہ وہ ایک فریق سے نجی ملاقات یا ہدیہ قبول نہ کرے اور مجلس سے باہر مقدمے پر گفتگو سے پرہیز کرے، تاکہ فیصلے کی شفافیت پر کوئی انگلی نہ اٹھ سکے۔

نظر ثانی اور مظلوم کی دادرسی

طریقہ کار کا آخری پہلو یہ ہے کہ فیصلہ اگر کتاب و سنت کے واضح حکم کے خلاف ہو یا ثبوت میں بنیادی غلطی ہو تو اس کی اصلاح کی صورتیں فقہ میں موجود ہیں۔ قاضی خود اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتا ہے اگر اس پر اپنی غلطی واضح ہو جائے، اور بڑی عدالت یا خلیفہ کی طرف سے بھی ایسے فیصلے ختم ہو سکتے ہیں جو صریح نص کے خلاف ہوں، البتہ اجتہادی مسائل میں دیانت دارانہ فیصلے کو محض اختلافِ رائے کی بنیاد پر نہیں توڑا جاتا تاکہ فیصلوں کا استحکام برقرار رہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ یا اس کے مقرر کردہ ادارے کے سامنے مظالم کی سماعت کی روایت نے عام شہری کو یہ سہولت دی کہ اگر وہ عام عدالت سے خود کو مطمئن نہ پائے یا کسی بااثر شخص کے خلاف اس کی بات نہ سنی جائے تو وہ اوپر کی سطح پر داد رسی کی درخواست کر سکے۔ یہ درجات و حفاظتیں مل کر ایک ایسا طریقہ کار بناتی ہیں جس میں شفافیت و انصاف محض وعظ نہیں بلکہ اندراج، اطلاع، علانیہ سماعت، دلیل کی جانچ، تحریری فیصلہ اور نفاذ کی عملی صورتوں میں ڈھلا ہوا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی عدالت کا طریقہ کار دعوے کے تحریری اندراج سے شروع ہو کر طلبی و اطلاع، علانیہ و مساوی سماعت، ثبوت کی منضبط جانچ، صلح کی کوشش، اسباب سمیت فیصلے، اس کی تحریر و نفاذ اور ضرورت پڑنے پر نظرِ ثانی تک ترتیب وار مراحل پر مشتمل ہے۔ ہر مرحلے پر ایسی حفاظتیں رکھی گئی ہیں جن سے فریقین کو موقع، دلیل کو اہمیت اور فیصلے کو شفافیت حاصل ہوتی ہے۔ اس نظام کی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ ضوابط قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں اس وقت مرتب ہوئے جب دنیا کے بیشتر نظاموں میں عدالتی طریقہ کار کی ایسی تفصیل موجود نہیں تھی۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ انصاف کا انحصار صرف اچھے قوانین پر نہیں بلکہ اس طریقہ کار کی دیانت دارانہ پاسداری پر ہے جس سے وہ قوانین زندگی میں اترتے ہیں۔

سوال نمبر 5: اسلامی عدالتی نظام کی منفرد خصوصیات: عدل، مساوات، شفافیت اور استحکام (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اسلامی عدالتی نظام اپنی منفرد خصوصیات جیسے عدل، مساوات اور شفافیت کی بنیاد پر نمایاں ہے۔ یہ خصوصیات معاشرے میں استحکام پیدا کرتی ہیں۔ ان خصوصیات کو بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی عدالتی نظام کو دنیا کے دیگر تاریخی نظاموں سے جو باتیں ممتاز کرتی ہیں وہ اس کی چند بنیادی خصوصیات ہیں جن میں سرِ فہرست عدل، مساوات اور شفافیت ہیں۔ ان کے علاوہ قانون کی بالادستی، عدلیہ کی آزادی، سادگی و سرعت، اخلاقی بنیاد اور احتساب جیسی خصوصیات بھی اسی نظام کے نمایاں اوصاف میں شمار ہوتی ہیں۔ سوال کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ خصوصیات معاشرے میں استحکام کیسے پیدا کرتی ہیں۔ اس کی وجہ سمجھنا مشکل نہیں: جس معاشرے میں لوگوں کو یقین ہو کہ ان کا حق عدالت سے ملے گا، قانون سب پر برابر لاگو ہو گا اور کارروائی کھلی و صاف ہو گی، وہاں خود سے قانون ہاتھ میں لینا، بدلہ اور انتشار کم ہوتا ہے اور ریاست پر اعتماد بڑھتا ہے۔ اس جواب میں پہلے تین مرکزی

خصوصیات تفصیل سے بیان کی جائیں گی، پھر چند مزید خصوصیات کا ذکر ہو گا، اس کے بعد ان کے استحکام پیدا کرنے کے طریقے کو واضح کیا جائے گا، اور آخر میں ایک متوازن جائزہ پیش کیا جائے گا۔

پہلی خصوصیت: عدل مرکزی وصف کے طور پر

اسلامی نظامِ عدالت کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عدل محض ایک انتظامی خوبی نہیں بلکہ دینی فریضہ اور نظام کا مقصد ہے۔ قرآن مجید نے عدل کو تقویٰ کے قریب ترین عمل قرار دیا اور یہ حکم دیا کہ کسی قوم سے دشمنی بھی انصاف سے ہٹنے کا بہانہ نہ بنے۔ اس کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ قاضی فیصلہ کرتے وقت کسی دباؤ، رشتے یا مفاد کو نہیں بلکہ دلیل کو دیکھتا ہے، اور عدل کا دائرہ صرف شہریوں تک محدود نہیں بلکہ ہر انسان تک پھیلا ہوا ہے۔ فقہاء نے عدل کو مزید دو سطحوں میں بیان کیا ہے: ایک فیصلے کا عدل، یعنی حق دار کو اس کا پورا حق ملے، اور دوسرا طریقہ کار کا عدل، یعنی سماعت، ثبوت اور نفاذ کے ہر مرحلے میں فریقین کے ساتھ منصفانہ سلوک ہو۔ چونکہ عدل کو عبادت کا درجہ دیا گیا ہے اس لیے قاضی اسے اپنی اخروی جواب دہی سے جوڑ کر دیکھتا ہے، جو کسی دنیوی نگرانی سے بڑھ کر مضبوط اندرونی محرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں قاضیوں کی بے خوفی اور حکمرانوں کے خلاف فیصلوں کی مثالیں نمایاں طور پر ملتی ہیں۔

دوسری خصوصیت: قانون کے سامنے مساوات

دوسری خصوصیت مساوات ہے، یعنی قانون کی نظر میں حکمران و رعایا، امیر و غریب، مقامی و پردیسی سب برابر ہیں۔ اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ قانون اللہ کا دیا ہوا ہے اور اس کے نفاذ میں کوئی شخص مستثنیٰ نہیں۔ عہدِ نبوی میں بااثر خاندان کی خاتون کے مقدمے میں سفارش کی رد اور خلافت کے ادوار میں خلفاء کا عدالت کے سامنے پیش ہونا اس مساوات کی عملی گواہیاں ہیں۔ مساوات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ غیر مسلم شہریوں کو بھی ان کے جان و مال و عبادت کے تحفظ کے ساتھ عدالت تک مکمل رسائی حاصل تھی اور تاریخی ریکارڈ میں کئی ایسے فیصلے ملتے ہیں جو مسلمان حکمرانوں یا فوجیوں کے خلاف غیر مسلم فریقوں کے حق میں ہوئے۔ مساوات کی اس خصوصیت نے اسلامی ریاست کو ایک

ایسا سماجی سرمایہ دیا کہ مختلف نسلوں و مذاہب کے لوگ ایک ہی قانونی نظام کے سائے میں رہنے کو قابلِ قبول سمجھتے تھے۔ جدید دنیا میں قانون کے سامنے برابری کو آئین کی بنیادی شق مانا جاتا ہے، مگر اسلامی نظام نے اسے صدیوں پہلے عملی عدالتی رویے کی شکل میں پیش کر دیا تھا۔

تیسری خصوصیت: شفافیت اور علانیہ کارروائی

تیسری خصوصیت شفافیت ہے جس کی عملی صورتیں علانیہ سماعت، فریقین کی موجودگی میں ثبوت کی جانچ، فیصلے کا اعلان و تحریر اور قاضی کے ذاتی رویے کی صفائی ہیں۔ عدالت کی مجلس عام لوگوں کے لیے کھلی ہوتی تھی، گواہ کھلے عام بیان دیتے تھے اور قاضی پر لازم تھا کہ وہ مقدمے سے متعلق کسی فریق سے خفیہ ملاقات یا مراسلت نہ کرے اور ہدیہ و ضیافت سے پرہیز کرے۔ شفافیت کا مقصد دکھاوا نہیں بلکہ اعتماد سازی ہے: جب لوگ کارروائی دیکھتے ہیں تو فیصلے کے بارے میں شبہات کم ہوتے ہیں، گواہ جھوٹ بولتے ہوئے ہچکچاتا ہے اور قاضی بھی اجتماعی نگرانی کی وجہ سے زیادہ محتاط رہتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ شفافیت کا اصول فریقین کی عزت و رازداری کے جائز تقاضوں سے ٹکراتا نہیں؛ فقہاء نے بعض حساس معاملات میں مجلس کی حد بندی کی گنجائش بھی تسلیم کی ہے، تاکہ شفافیت اور ستر پوشی دونوں قائم رہیں۔ یہ توازن اس نظام کی پختگی کو ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اصول بھی قائم رکھا اور اس کے انسانی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

جدول 5: نمایاں خصوصیات اور ان کے سماجی اثرات

خصوصیت	عملی اظہار	استحکام میں کردار
عدل	دلیل کی بنیاد پر بے لاگ فیصلہ	حق کی بحالی؛ ظلم کا خاتمہ
مساوات	حکمران و شہری پر یکساں قانون	قانون کی بالادستی؛ امتیاز کا خاتمہ
شفافیت	علانیہ سماعت؛ تحریری فیصلہ	عدلیہ پر عوامی اعتماد
آزادیِ عدلیہ	قاضی کا انتظامی دباؤ سے آزاد فیصلہ	بااثر فریق کے خلاف بھی انصاف

التوا انتقام کے رجحان میں کمی	کم خرچ؛ بروقت فیصلہ و نفاذ	سادگی و سرعت
اختیار کے غلط استعمال کی روک تھام	قاضی و حکمران کی جواب دہی	احتساب

مزید خصوصیات: آزادی، سادگی، اخلاقی بنیاد اور احتساب

ان تین بڑی خصوصیات کے علاوہ چار مزید اوصاف اس نظام کو نمایاں کرتے ہیں۔ لیے آزادی کا مطلب یہ ہے کہ قاضی فیصلے میں حکمران کی خواہش کا پابند نہیں؛ تاریخی طور پر خلیفہ قاضی مقرر کرتا تھا مگر اس کے درست فیصلے کو بدلنے کا حق اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ سادگی و سرعت کا وصف یہ ہے کہ مقدمہ کم خرچ اور کم وقت میں نمٹتا ہے، جس سے غریب فریق کے لیے انصاف محض نظری چیز نہیں رہتا۔ اخلاقی بنیاد سے مراد یہ ہے کہ پورا نظام دینی اقدار کی سچائی، امانت اور ظلم کی حرمت پر کھڑا ہے، اس لیے جھوٹی گواہی اور رشوت صرف قانونی جرم نہیں بلکہ گناہ بھی ہے اور یہ دوہرا دباؤ قانون کی پاسداری کو مضبوط کرتا ہے۔ احتساب کا وصف یہ ہے کہ قاضی خود بھی جواب دہ ہے: اس کے فیصلے کی تحقیق ہو سکتی ہے اور اخلاقی خرابی پر اسے معزول کیا جا سکتا ہے، اور مظالم کی سماعت کے ادارے نے عام آدمی کو اوپر تک آواز پہنچانے کا راستہ دیا۔ یہ سب خصوصیات الگ الگ خوبیاں نہیں بلکہ ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں؛ کسی ایک کے کمزور ہونے سے پورے نظام کی ساکھ متاثر ہوتی ہے۔

یہ خصوصیات استحکام کیسے پیدا کرتی ہیں؟

معاشرتی استحکام سے مراد وہ حالت ہے جس میں نظم قائم رہے، تنازعات پُرامن طریقے سے حل ہوں اور لوگ مستقبل کے بارے میں مطمئن ہوں۔ عدالتی خصوصیات اس استحکام کو چار راستوں سے پیدا کرتی ہیں۔ پہلا راستہ تنازعات کا ادارہ جاتی حل ہے: جب عدالت قابلِ اعتماد ہو تو لوگ بدلہ اور نجی تصفیے کی طرف نہیں جاتے، یوں عناد و فساد کا سلسلہ ٹوٹتا ہے۔ دوسرا راستہ حقوق کی ضمانت ہے: جان و مال و معاہدوں کا تحفظ ملنے سے تجارت، سرمایہ کاری اور روزگار کا ماحول بنتا ہے جو معاشی استحکام کی بنیاد ہے۔ تیسرا راستہ قانون کی پیش گوئی ہے: جب فیصلے مسلسل اصولوں کے مطابق ہوں تو لوگ اپنے رویے کی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں اور اچانک ریاستی عمل کا خوف ختم ہوتا ہے۔ چوتھا راستہ اعتماد و وفاداری ہے: مساوات و شفافیت دیکھ کر شہری ریاست کو اپنا نظام سمجھتا ہے، جس سے سیاسی استحکام آتا ہے۔ ان کے مقابلے میں جس معاشرے میں عدالت کمزور، مہنگی یا

جانب دار ہو وہاں خود انصافی، بدعنوانی اور انتشار بڑھتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی عدالتی نظام کی یہ خصوصیات صرف عدالتی اصلاح نہیں بلکہ پوری تہذیب کے استحکام کا نسخہ تھیں، اور انہی کی بدولت یہ نظام مختلف قوموں و خطوں میں طویل عرصے تک قائم رہا۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی عدالتی نظام عدل کو مقصد، مساوات کو بنیاد اور شہادت کو طریقہ بنا کر نمایاں ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ آزادیِ عدلیہ، سادگی و سرعت، اخلاقی بنیاد اور احتساب اس کی تکمیلی خصوصیات ہیں۔ یہ خصوصیات مل کر تنازعات کے پُرامن حل، شہریوں کی امانت، قانون کی پیش گوئی اور ریاست پر عوامی اعتماد کے ذریعے معاشرے میں استحکام پیدا کرتی ہیں۔ متوازن جائزہ یہ ہے کہ یہ اوصاف اصول و نظریے کی سطح پر اس نظام کی پہچان ہیں؛ کسی بھی دور میں ان کا عملی ظہور اسی نسبت سے ہو گا جس نسبت سے ان پر عمل کیا جائے۔ یہی بات اس نظام کو محض تاریخی مطالعے سے آگے بڑھا کر آج کے عدالتی اصلاحات کے مباحث کے لیے بھی متعلق بناتی ہے، جہاں سستا و تیز انصاف، عدلیہ کی آزادی اور شفافیت آج بھی مرکزی مطالبات ہیں۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com